فکُّ کُلِّ نظام

ایک تجزیہ ——— ایک جائزہ

پاکستان میں موجودہ نظام کی روشنی میں

انسانیت کی اجتماعی زندگی کو اپنی بہترین شکل پر قائم رکھنے کے لئے امت کے مفکرین اور مدبرین کے پیش نظر ہر دور میں ایک نصب العین رہا ہے ان کی تمام تر جد و جہد کا مقصد ارفع و اعلیٰ نصب العین کو حاصل کرلینا ہوتا ہے۔

اسلامی ہندوستان کے عظیم مفکر و مدبر امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ، نے بھی اپنے دور میں اپنی زندگی کا انتہائی قریب سے معروضی مطالعہ کیا اور اس میں پیدا شدہ بگاڑ کا انتہائی دل سوزی سے جائزہ لے کر ایک نصب العین متعین فرمایا اور پھر اس نصب العین کے حصول کے لئے ایک ایسی تحریک کی بنیاد رکھی جو اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی اپنے نصب العین کی وجہ سے ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی سماج کی بہتری کے لئے جس دور میں بھی کسی مفکر و مدبر نے کوئی کوشش کی تو اس کی راہ میں ہمیشہ روایتی قسم کی رکاوٹیں پیدا کی جاتی رہیں۔ اس کا سبب ایک مخصوص ذہنیت رکھنے والا طبقہ رہا ہے جو اپنے مفادات پر زد پڑتے دیکھ کر روایت پرستی کا سہارا لیتا ہے اور نصب العین کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے ہر مفکر و مدبر کی نظر جہاں اس پر ہوتی ہے کہ انسانی سماجی ارتقاء کو برقرار رکھنے کے لئے وہ کون سے ایسے ٹھوس اصول و ضوابط ہیں جن کی روشنی میں

انسانیت کے لئے ایک بہترین معاشرہ کا قیام ممکن ہو سکے وہاں اس کا زاویہ نگاہ بھی ہوتا ہے کہ بہترین معاشرہ کی تشکیل میں کون سی ایسی رکاوٹیں حائل ہیں جن کو دور کئے بغیر انسانی سماج ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا اس طرح وہ اپنے مقصد کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے بھی جدوجہد کرتا ہے تاکہ انسانی اجتماع اپنے فطری انداز میں ترقی کے مدارج طے کر سکے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی ایک ایسے ہی مفکر اور مدبر ہیں جنھوں نے انسانی سماج کے ارتقاء کے لئے "ارتفاقات" (معاشی خوشحالی) پر مشتمل ایک ارفع و اعلیٰ نظریہ اور نصب العین دیا ہے اور اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ انسانیت کی فطری ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ "نظام فاسد" ہے۔ اس کی تباہ کاریاں اتنی وسیع ہوتی ہیں کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کی دست برد سے بچا ہوا نہیں ہوتا بلکہ انسانیت کا ہر فرد اپنی سوچ، فکر و عمل کے لحاظ سے اسی کے جال میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اس لئے جب تک "فکِّ کُلِّ نِظام"[1] کے اصولی طریقے پر عمل کرتے ہوئے نظام فاسد کے تار و پود نہیں بکھیرے جاتے۔ اس وقت تک انسانیت ارتفاقات (معاشی خوشحالی) کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔

اہلِ دانش پر یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ مقصد تک رسائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ حائل رکاوٹوں کو پہلے دور کیا جائے تاکہ مقاصد اپنی کامل اور مکمل شکل میں جلوہ گر ہو سکیں اس تناظر میں تحریک چلانے والے افراد کا یہ فریضہ ہو جاتا ہے کہ وہ "فَکُّ کُلِّ نِظام" پر عمل کی تیاری پہلے کریں تاکہ نتیجہ کے طور پر انسانیت کے لئے عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے کی جانے والی جدوجہد بار آور اور مفید ثابت ہو سکے آنے والے صفحات میں ہم شاہ صاحبؒ کی اسی اصولی دعوت "فکُّ کُلِّ نِظام" کا گہرائی اور گیرائی سے جائزہ لیں گے تاکہ ہم پاکستان کی موجودہ صورتحال میں اپنے لئے ایک راہ متعین کر سکیں۔ جس پر چل کر ہم آج کے دور میں سسکتی ہوئی انسانیت کو ارتفاقات (معاشی خوشحالی) کی اس منزل تک لے جا سکیں جو انسانیت کے لئے امن و سلامتی کا پیغام ثابت ہو اس طرح ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر ایسے ہی عمل کرنے والے ہو جائیں گے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ظلم و جبر سے نجات دلائی تھی اور اسلام کا عادلانہ نظام سیاست دنیا میں نافذ فرمایا تھا جسے پوری انسانیت رہتی دنیا تک یاد رکھے گی۔

---

[1] ہر فاسد نظام کو بیخ و بُن سے ختم کرنا۔

آیئے! دیکھیں! کس طرح امام شاہ ولی اللہؒ انسان کی اجتماعی زندگی کا معروضی مطالعہ فرماتے ہیں؟ شاہ صاحبؒ نے امت کے نبض شناس کی حیثیت سے انسانی سماج کا انتہائی قریب سے بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس مطالعے کے دوران ان پر جس حقیقت کا انکشاف ہوا اس کا اظہار انھوں نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں کچھ اس انداز سے کیا ہے۔

"اگر کسی قوم میں تمدن کی مسلسل ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت وحرفت اعلیٰ کمال پر پہنچ جاتی ہے لیکن اگر حکمران جماعت آرام و آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی کو اپنا شعار بنائے تو اس کا بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر اتنا بڑھ جاتا ہے کہ سوسائٹی کا اکثر حصہ حیوانوں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انسان کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں۔ جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے۔ اس وقت وہ گدھوں اور بیلوں کی طرح صرف روٹی کمانے کے لئے کام کریں گے۔ جب انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ انسانیت کو اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ الہام کرتا ہے یعنی ضروری ہے کہ قدرتِ الٰہیہ — انقلاب — کا سامان پیدا کرے قوم کے سر سے اس ناجائز حکومت کا بوجھ اتار دے"۔ [1]

شاہ صاحبؒ نے اپنے اس تجزیے میں چند چیزوں کی واضح نشاندہی کی ہے:

(ا) انسانیت کی تمدنی زندگی میں بتدریج ترقی ایک فطری امر ہے جسے ہر حال میں جاری رہنا چاہیئے تاکہ صنعت وحرفت اپنے اعلیٰ کمال کو پہنچ کر انسانیت کے لئے امن وسکون کی ضمانت بن سکے۔

(ب) انسانیت کا یہ فطری ارتقاء اس وقت زوال پذیر ہوتا ہے جب انسانی سماج طبقات کا شکار ہو جائے

(ج) یہ طبقات حکمران جماعت کے ظلم وجبر اور اس کی تعیش پسند ذہنیت کی بدولت وجود پذیر ہوتے ہیں۔

(د) طبقات کے پیدا ہو جانے سے محنت کش طبقہ باوجود اپنی اکثریت کے حیوانوں جیسی زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

(ھ) اقتصادی تنگی کے نتیجے میں انسانیت اپنے اخلاقِ اجتماعیہ سے عاری ہو جاتی ہے محنت کش طبقہ ان حالات میں سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔

---

[1] شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات (مرتبہ خلیق احمد نظامی) ص ۳۶، ۳۷

و جب انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ "انقلاب" کے راستے کا الہام فرماتے ہیں تاکہ انسانیت اس سے نجات حاصل کرسکے۔

ز انقلاب لانے والے بھی یہی انسان ہوتے ہیں کوئی مافوق البشر طاقت نہیں ہوتی۔

ح ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ انقلابیوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک انسانی اجتماع کے فطری ارتقاء میں سب سے بڑی رکاوٹ افرادِ انسانیت کے درمیان عدم مساوات کی صورت میں معاشی واقتصادی بحران کا پیدا ہوجانا ہے اور اس بحران کا ذمہ دار وہ نظام حکومت ہے جس کی تعیش پسند حکمران طبقہ اپنی خواہشات نفسانی کے طابع چلاتا ہے

شاہ صاحبؒ نے اپنے اس ٹھوس سائنسی تجزیے کی بنا پر اپنے ایک مشہور خواب کے ذریعے علامتی انداز[1] میں "فَكُّ كُلِّ نِظَام" کا ایک ایسا اصول دیا جس کی روشنی میں نہ صرف انسانیت کو ان مصائب سے نجات دلائی جاسکتی ہے بلکہ اس کی فطری نشوونما میں پیدا کردہ رکاوٹوں کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔

آئیے! اب ہم "نظام" کا جائزہ لیتے ہیں وہ کیا ہے؟ اور اس کے فاسد ہونے کی وجہ سے اس کی ہلاکت آفرینی کس طرح اپنا کردار ادا کرتی ہے، دوسرے پاکستان میں کس طرح کا نظام رائج ہے؟ اس کا فساد کس درجہ کا ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟

لفظ "نظام" کا جب استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد عموماً کسی ادارہ، جماعت یا کسی چیز کا انتظام والضرام ہوتا ہے یعنی کسی چیز کو باہم مربوط رکھنے کے لئے جو ڈھانچہ بنایا جاتا ہے اس کو "نظام" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً کائنات کا نظام، جسم کا نظام، زندگی کا نظام، معاشرہ کا نظام۔

ہم کہتے ہیں کہ کائنات کا ایک نظام ہے اب اس میں وہ ساری چیزیں شامل ہیں جن کا تعلق کائنات سے ہے مثلاً زمین، آسمان، چاند، سورج ستارگان، ماہ وسال، صبح وشام، زندگی اور موت سارے ہی کائنات میں شامل تصور کیے جاتے ہیں ان میں پھر ایک اپنا الگ الگ بھی ایک نظام ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کائنات سے ہٹ کر بھی ان کی کوئی انفرادی یا ذاتی حیثیت ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے سے باہمی

---

[1] یاد رہے کہ شاہ صاحبؒ روحانی واردات اور رویا صالحہ کی معروضی اساس کے بھی قائل ہیں اور انہیں انسانوں کو درپیش مسائل کا علامتی انداز میں روحانی سطح پر حل قرار دیتے ہیں (فیوض الحرمین مشہد ۱۰) گویا روحانی تجربات ہمارے خارجی افکار کا علامتی اظہار ہوتے ہیں۔

ربط و تعلق ہے۔

اسی طرح جسم کا بھی ایک نظام ہے اس میں سارے اعضاء شامل ہیں لیکن ان اعضاء کا اپنا بھی ایک الگ الگ نظام ہے، مثلاً دل کا نظام، دماغ کا نظام، جگر اور گردوں کا نظام وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سب کا تعلق ایک مرکزی نظام سے بھی ہے۔ یہ مختلف نظام ہائے اعضاء بالکلیہ ایک دوسرے سے آزاد ہو کر اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ دوسری طرف یہ بھی ہے کہ مرکزی نظام کو دوسرے ذیلی نظاموں سے علیحدہ کرکے بھی باقی نہیں رکھا جاسکتا۔ جس طریقے سے کائنات اور جسم کے نظام میں ایک مرکزی نظام ہوتا ہے۔ جو کئی ذیلی نظاموں پر مشتمل ہوتا ہے اور ان کے باہمی تعلق و ربط کی بدولت ہی پورا نظام صحیح طور پر اپنا کام کرتا ہے۔

اسی طریقے سے قوموں کی اجتماعیت میں بھی ایک مرکزی نظام حکومت ہوتا ہے جو اپنے ذیلی اجتماعی اداروں (نظاموں) پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے انتظامیہ کا نظام، عدلیہ کا نظام، فوج کا نظام، تعلیمی نظام، صنعتی نظام، زرعی نظام، صحت کا نظام وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام نظام ہائے حیات مرکزی نظام حکومت کے ایسے شعبے ہوتے ہیں کہ جن کے باہمی ربط و تعلق کی وجہ سے مرکزی نظام اپنا بھرپور کردار ادا کرسکتا ہے پھر ان سب ذیلی اداروں پر رنگ قوتِ حاکمہ مرکزی نظام کو حاصل ہوتی ہے اس لئے جس قوم کی سوچ و فکر اور مقاصد حکمران طبقے کے ہوں گے اسی کا اظہار ان ذیلی اداروں سے بھی ہوگا۔ بلکہ نظام کی گہرائی و گیرائی کا انتہائی غور و فکر سے معروضی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ نظام حکومت انسانی زندگی کے ہر شعبے پر ایسے اثرات مرتب کرتا ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد اگر انفرادی طور پر اس سے بچنے کی کوشش بھی کرے۔ تب بھی اس کے اثراتِ بد سے محفوظ نہیں رہ سکتا جیسے کہ ایک حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے "جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ صحیح رہے تو جسم کا سارا نظام درست رہتا ہے اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو جسم کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے! اور وہ ہے "دل"۔

اسی تجزیے کو ایک عربی مقولے میں بھی یوں ادا کیا گیا ہے:۔

النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ[1] مُلُوْکِھِمْ (یعنی عام لوگ اپنے حکمرانوں کے نظام حیات کے تابع ہوتے ہیں)

---

[1] لفظ "دین" ہمارے ہاں بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس کا اطلاق عموماً چند عبادات اور مذہبی رسوم و رواج پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر اس لفظ کے پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ کسی قوم کا اپنے عقائد و خیالات، عبادات و معاملات سمیت کر زندگی کے شعبے میں ایک مخصوص سوچ و فکر کی روشنی میں ایک الگ ڈھانچہ و نظام بنا لینے کا نام "دین" ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، عمرانی، تمدنی تعلقات و تصورات بھی نظام ہی کی بدولت بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں حتیٰ کہ آج کے سامراجی نظام میں تو مذہب بھی اس کی دستبرد سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکا اس لئے کہ نظام کا جبر ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو اپنے ارد گرد کی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے کر جکڑ دیتا ہے حتیٰ کہ احساسات بھی اس کے تابع ہو جاتے ہیں اور اس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو انقلابی سوچ رکھتے ہوں تب جا کر اچھائی کو وہ مکمل طور پر قبول کرنے والے اور اس کی برائی کو رد کرنے والے بن سکتے ہیں۔

نظام کا پورا پس منظر معلوم کر لینے کے بعد اب ہم پاکستان میں رائج موجودہ نظامِ حکومت کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ہم اپنے معروضی دور کا صحیح طور پر تجزیہ کر سکیں۔ بدقسمتی سے پاکستان میں گزشتہ چالیس برسوں سے جو نظام رائج ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جسے برصغیر پاک و ہند کی غلامی کے دور میں برطانوی سامراج نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وضع کیا تھا۔ چنانچہ جس طرح انگریزی سامراج نے متحدہ ہندوستان میں یہاں کے باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے اور ایسا نظام وضع کیا تھا کہ یہاں کی اکثریتی آبادی اپنے بنیادی حقوق تک محروم ہو گئی تھی یعنی بعینہٖ اسی طرح وہی ظالمانہ نظام یہاں کے نام نہاد مسلم حکمرانوں نے اسی مملکتِ پاکستان میں جاری و ساری رکھا۔ اس طرح جو خرابیاں سامراج کے اس دور میں تھیں جبکہ ہم غلامی کی بدترین زندگی گزار رہے تھے۔ آج جبکہ ہم اپنے آپ کو آزاد کہتے ہیں تو اس حالت میں بھی وہ خرابیاں جوں کی توں موجود ہیں۔

بلکہ حادثہ یہ ہوا کہ پہلے برطانوی سامراج ظالم و جابر ہم پر حکمران تھا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد اس خطے میں بوڑھے برطانوی سامراج کی جگہ ایک نئی ابھرتی ہوئی طاقت یعنی امریکہ نے سنبھالی جس نے نہ صرف پرانی پالیسیوں کو جاری رکھا بلکہ غلامی کے ایک نئے انداز "اقتصادی غلامی" کے دور کا آغاز کیا۔ اس طرح ہم ایک نئے ظلم کا شکار ہو گئے۔

پاکستان میں جو نظام رائج ہے اس کی تصویر کشی ایک مضمون نگار کی زبان میں کچھ یوں ہے:

"پاکستان میں رائج نظام کی کیفیت یہ ہے کہ اسلامی قوتوں کو پارہ پارہ، ہر کائی کا توڑ اور ہر مثبت بات کو منفی کر دیتا ہے۔ اجتماعی اور انفرادی کوششوں کو ضائع کرتا ہے اور قومی تشخص

چنانچہ کفار کے نظام ظلم و جبر پر بھی قرآن حکیم نے اس لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ سورۃ الکٰفرون پارہ نمبر ۳۰۔
اور اس مقولہ کے مختصر جامع جملے سے بھی اس لفظ کی وسعت و گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابھرنے نہیں دیتا اس نظام کے اثراتِ بد اتنے شدید ہیں کہ یہاں کی اکثریت ظلم کی چکی میں پس رہی ہے
اسے ترقی کے مواقع نہیں ملتے۔ انصاف نہیں ملتا، محنت کا پورا صلہ نہیں ملتا، ایسا ماحول اور مناسب میدان
نہیں ملتا جہاں وہ اپنے جوہر دکھا سکے اس نظام میں آتنا جھول اتنی کھینچا تانی اور ایک دوسرے کے
خلاف اتنی نفرتیں ہیں کہ مجموعی حاصل صفر اور قومی نقطۂ نگاہ سے منفی ہوتا ہے یہ ایک ایسا نظام ہے
کہ جس میں انفرادی اور اجتماعی صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں، اور آہ و فغاں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا
لہٰذا اگر آپ ذرا غور سے دیکھیں گے تو خوبصورت عمارتوں اور ظاہری ترقی کے درمیان یہی کچھ نظر آئے گا"۔

پاکستان میں رائج نظام کا اگر سائنسی اور سائنٹفک تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں پر بنیادی طور پر "استحصالی سرمایہ دارانہ نظام" اپنے تمام تر عفریتوں کے ساتھ قوم کا خون چوس رہا ہے یعنی ایک کلاسیکل سرمایہ دارانہ نظام ہوتا ہے جس کے کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں اور جس کے ذریعے یورپ کے سامراجی ملک امریکہ و برطانیہ وغیرہ اپنے ملک کے عوام کا قانونی طور پر استحصال کرتے ہیں لیکن یہاں پر غیر ملکی سامراج نے اس نظام کی بھی بدترین شکل مسلط کی ہوئی ہے چنانچہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر سطح پر استحصالی سرمایہ داروں کا دور دورہ ہے اگر ایک طرف بنکوں کے ذریعے سودی سرمایہ کاری ہو رہی ہے تو دوسری طرف رشوت کا بازار گرم ہے الیکشن جیتنے کے لئے سرمایہ کاری سرکاری شعبوں کو لوٹ کھسوٹ تعلیم کے شعبہ میں سرمایہ کاری غرضیکہ کون سا ایسا شعبہ ہے جو "سرمایہ کاری" کے پرفریب نام کے ذریعہ قوم کا استحصال نہیں کر رہا ہے؟

گویا اگر اس نظام کی بنیاد تلاش کی جائے تو اس کی تہہ در تہہ میں "استحصالی سرمایہ" ہی عفریت کی شکل میں ظاہر ہوگا جو مختلف روپ میں اور دلفریب نعروں کے ساتھ قوم کا خون چوس کر اس نظامِ حکومت کے مقتدر طبقات کا پیٹ بھر رہا ہے جس کے عوض میں یہ طبقات اس خطہ میں غیر ملکی سامراج کے مفادات کی نگرانی و حفاظت کرتے ہیں اور یہ اسی نظام کا ثمرہ ہے کہ آج ہم آزاد ہوتے ہوئے بھی غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پاکستان میں رائج اس "استحصالی سرمایہ داری نظام" کو سول بیوروکریسی ، افسر شاہی اور سرمایہ دار و جاگیر دار کی اس خطرناک مثلث" نے قائم رکھا ہوا ہے جو اس خطے میں نہ صرف سامراج کے حضور سرنگوں رکھ کر خود کو تعیشات اور تفاخر کی زندگی میں مست ہے چونکہ جغرافیائی اعتبار سے پاکستان ایشیا کے ایسے خطے میں واقع ہے جہاں پر سامراجی طاقتوں کے مفادات بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ آجکل معروضی حالات نے اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے چنانچہ اس وقت امریکہ اس نظام کے ذریعے اس خطے میں اپنے استحصالی مفادات کا پورا پورا تحفظ کر رہا ہے۔

یہاں ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس خطرناک مثلث کے تینوں کرداروں کا مختصر سا جائزہ پیش کر دیا جائے تاکہ اس بدترین نظام کے خدوخال مزید نکھر کر سامنے آجائیں۔

۱۔ سول بیوروکریسی

یہ مخصوص ذہنیت رکھنے والا طبقہ اس نظام حکومت کی جان ہے اسی کے بل بوتے پر استحصالی نظام آج ہم پر مسلط اور قائم ہے انگریز نے بیوروکریسی کی تربیت کے لئے قائم کردہ اداروں کے ذریعے ہندوستان کے امرأ وجاگیردار خاندانوں سے ایسے افراد لئے تھے جن پر اپنی جاگیر اپنی نوابی، اپنی امارت برقرار رکھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ قوم کی غلامی اور اس کی زبوں حالی کا احساس تک بھی ان کے حاشیۂ خیال سے نہیں گزرا تھا۔

چنانچہ ایسے خودغرض افراد کا ایک ٹولہ تیار کیا گیا اور پھر ان کی ایسی برین واشنگ کی گئی کہ نہ صرف مذہب اور اس کی اہمیت کو ان کی ذاتی اجتماعی زندگی سے خارج کر دیا گیا بلکہ انسان دوستی پر مبنی قومی اجتماعی شعور و آگہی سے بھی محروم کر دیا گیا۔ پھر یہ مخصوص ٹولہ برین واش ہونے کے بعد اپنی ہی قوم کا استحصال کرنے کے لئے میدانِ عمل میں آیا تو بقول "لارڈ میکالے" شکل وشباہت اور قومیت ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی اور ذہن وفکر اور فلسفہ وعمل کے اعتبار سے مکمل طور پر انگریز بن کر نکلا اس طرح یہ طبقہ سامراج کا ایسا دست وبازو بنا کہ آخر دم تک ان کے استحصال میں برابر کا شریک رہا۔ چنانچہ ہندوستان کی غلامی اور اس کے طویل استحصال میں اس طبقہ کا انتہائی اہم کردار رہا۔

پاکستان بننے کے بعد اس نوزائیدہ ملک میں انگریز کے نظاہر چلے جانے کے بعد یہی طبقہ اس ملک کے سیاہ وسفید کا والی بنا اس طرح غیر ملکی سامراج نے اس طبقہ سے بالواسطہ طور پر اپنے مفادات پورے کرنا شروع کر دیئے۔ چنانچہ آج صورتحال یہ ہے کہ پاکستان کی سول سروسز بھی اکثر انہیں جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور مفاد پرست بیوروکریٹس کی اولاد ونسل اور مشنری اداروں کے تعلیم یافتہ افراد سے اٹی پڑی ہیں جو کل تک انگریز کے نظام حکومت کے بنیادی ستون تھے اور پھر سامراجی عزائم پورے کرنے کے لئے سول سروسز میں داخلہ کا نظام کار کچھ اس قدر پیچیدہ بنایا گیا کہ قومی تعلیمی اداروں کا عام تعلیم یافتہ اپنی صلاحیت وصداقت کے باوصف، اس ادارہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

پھر اس مخصوص ذہنیت رکھنے والے ٹولے میں وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو انڈین سول سروسز میں تھیں۔ چنانچہ جس طرح ہمارے ملک میں انگریز کے بلاواسطہ طور پر مسلط رہنے کی صورت میں یہ طبقہ بدیسی حکمرانوں کا آلہ کار رہا تھا اسی طرح آج بھی امریکی سامراج نے (جو بالواسطہ طور پر ملک پر مسلط ہے) اسی آلۂ کار طبقہ کو اپنے

تسلط کے لئے واسطہ بنایا ہوا ہے اور اسی کے بل بوتے پر اس استحصالی نظام حکومت کے چہرے بدلتے رہتے ہیں چند سال ایک چہرے کو خوب استعمال کیا جاتا ہے اور پھر جب وہ گھوڑا قابل اعتماد نہیں رہتا تو پھر نئے سرے سے ایک اور "مومن قانت" کو لاکر بٹھا دیا جاتا ہے جو از سر نو قوم کو غلامی کے گہرے غار میں دھکیل دیتا ہے۔

بیوروکریٹس کا یہ مخصوص ٹولہ جیسے غیر ملکی سامراج کا مکمل طور پر آلہ کار ہے ایسے ہی یہ عوام کا حقیقی دشمن بھی ہے اس کو تربیت ہی اس خاص نہج پر دی جاتی ہے کہ عوام کو انسان نہیں بلکہ جانور و حیوان سمجھو۔ جس طریقہ سے حیوان سے مطلب براری کی جاتی ہے اسی طرح اس قوم کا حشر جاری رکھو، چنانچہ اس طبقہ نے ہر سطح پر لوٹ کھسوٹ کا جو بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس سے عوام کی اکثریت کا جینا دوبھر ہو گیا ہے لاکھوں کروڑوں عوام کی خون پسینہ کی کمائی کو مختلف طریقوں سے یہ طبقہ ہڑپ کر رہا ہے اور عام لوگ روز بروز اقتصادی تنگی کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہ وہی صورت حال ہے جس کو حضرت شاہ صاحبؒ نے حکمرانوں کے تعیش پسند کردار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بھوک و اقتصادی تنگی سے تعبیر کرتے ہوئے انقلاب کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔

قوم میں انتشار و انا کی جو کیفیت ہے اس کا بڑا سبب یہی مخصوص ٹولہ ہے چنانچہ جس طرح انگریز نے اپنے نظام کو مسلط رکھنے کے لئے اور اسے دوام بخشنے کے لئے لڑاؤ اور حکومت کرو (DIVIDE ANB RULE) جیسے مشہور و معروف اصول سے کام لیا تھا اسی طرح پاکستان کے اس بیوروکریٹس طبقے نے بھی اس اصول کو اپنائے رکھا چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ قوم میں انتشار عروج پر ہے۔

اگر آپ آج کل کی ضلعی یا ڈویژنل سطح کی سیاست کا ہی گہرا تجزیہ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آج ایک ڈپٹی کمشنر یا کمشنر اس استحصالی نظام کو مسلط رکھنے کے لئے کس طرح مختلف اداروں، اشخاص کو پروان چڑھاتا ہے اور پھر وہ کس طرح شعوری یا شعوری طور پر ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوتے ہیں اس لئے کہ ڈپٹی کمشنر یا کمشنر اپنے علاقے میں با اختیار ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر ان لوگوں کو بلیک میل کر کے مفادات حاصل کرتا رہتا ہے اور عوام بے چارے فریاد کرتے رہ جاتے ہیں۔ ان کی کسی طرح بھی شنوائی نہیں ہوتی۔

غرض کہ بیوروکریسی کا یہ ادارہ اس استحصالی نظام کا اصل الاصول ہے جو ایک طرف قوم سے غداری کر کے غیر ملکی سامراج خصوصاً "امریکہ" کا آلۂ کار ہے اور دوسری طرف اس قدر بے حس ہے کہ اپنی قوم کو عزت و عصمت (جس کا تعلق جان و مال دونوں سے ہے) کا سودا کر کے اغیار کی جھولی میں پھینک

دیتا ہے اور قوم کی عزت سے انبار کو کھیلتا دیکھ تو دعیاشی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

۲۔ فوجی افسر شاہی

پاکستان میں رائج موجودہ استحصالی نظام میں اس افسر شاہی کے کردار کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ماضی قریب کی تاریخ اور سیاسی وسماجی تبدیلیوں پر ایک نظر ڈالیں تاکہ اس کے ظالمانہ کردار کا ممکن طریقہ پر صحیح تجزیہ کیا جاسکے۔ جب سے یورپ کی استعماری طاقتوں نے اپنے استحصالی مفادات کے لئے دنیا کے وسیع رقبے پر قبضہ کیا اور دنیا کی کئی اقوام کو اپنے زیرنگیں کر لیا تو اُس وقت سے لے کر آج تک انھیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ مقبوضہ علاقوں کے عوام کی فلاح وبہبود اور ترقی کی صورت حال کیا ہے کیونکہ یورپی استعماری طاقتوں کا دوردراز علاقوں پر قبضہ کرنا اور وہاں سے اپنے معاشی فوائد حاصل کرنا ان کا بنیادی مقصد تھا لیکن ایک طرف جب حریت پسندوں کی قربانی سے جنگ آزادی اپنے عروج پر پہنچی اور دوسری طرف، دوسری جنگ عظیم میں برطانوی سامراج اس قدر کمزور اور نڈھال ہوگیا کہ اسے مجبوراً ان اقوام کو آزادی دینا پڑی تو ان حالات میں استعماری طاقتیں ایشیا وافریقہ کے ان مظلوم ملکوں پر اپنا براہ راست قبضہ برقرار نہ رکھ سکیں۔ اب تو آزاد ممالک کے حصول آزادی کے بعد یورپ کی سامراجی طاقتوں کو دوردراز کے علاقوں میں اپنے مفادات کے حصول کے لئے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا ان سے نمٹنے کے لئے ان استعماری طاقتوں نے ایک نئی حکمت عملی ترتیب دی چنانچہ ان ممالک میں قوموں اور اجتماعی اداروں کی نظری تشکیل میں رخنہ اندازی کر کے کہیں سول افسر شاہی کو اقتدار میں لانے کی کوشش کی اور ان کے ذریعے برسوں اپنی حمایتی حکومتیں قائم رکھیں اور کہیں ظاہری طور پر سامراج نے اپنے حمایتی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے گٹھ جوڑ سے ایسی حکومتیں قائم کیں جو ان کے مفادات کا تحفظ کر سکیں لیکن جب یہ حکومتیں بھی ان کے مفادات کے حصول میں زیادہ مفید نہ رہیں تو انھوں نے ان غریب ممالک کے سب سے زیادہ مضبوط ومستحکم جدید تربیت اور اسلحہ سے لیس ادارے "فوج" کا انتخاب کیا۔ چنانچہ ان غریب ممالک میں فوجی حکومتیں قائم کرنا شروع کر دیں تاکہ وہ اپنے مفادات کو زیادہ بہتر طریقے سے حاصل کر سکیں۔ ان فوجی حکومتوں کو داخلی انتشار سے محفوظ رکھنے کے لئے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور سول بیوروکریسی کو استعمال کیا گیا اور باہر سے سامراج نے ان کو اتنی امداد فراہم کی کہ فوجی حکومتیں عالمی دنیا میں اپنے غلط اور مسخ شدہ کردار کو صحیح ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہیں۔

چنانچہ پاکستان کے ۴۰ سالہ دور کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس وقت سامراج کا محبوب ومنظور ادارہ

فوجی افسر شاہی ہی ہے جو پاکستان کے موجودہ نظام میں سامراج کے مفادات کی پوری پوری نگرانی کر رہا ہے اور اس کا آلہ بن کر قوم و ملک کا استحصال کر رہا ہے ۔

جس طرح سول بیوروکریٹس کی تربیت ذہنی ایک خاص ادارہ میں ہوتی ہے بالکل اسی طرح فوج کے افسروں کی تربیت بھی چند مخصوص اداروں میں کی جاتی ہے ان اداروں میں ترجیحی بنیادوں پر ان افراد کو باسانی داخلہ دیا جاتا ہے جن کے آباد اجداد مدتوں سے سامراج کی فوج میں بھرتی رہے ہوں اور سامراجی عزائم کو پورا کرتے میں انھوں نے کوئی خصوصی امتیاز حاصل کیا ہو ۔

ایسے مخصوص اداروں میں ان افسروں کی اس طرح تربیت کی جاتی ہے کہ وہ سامراج کے خلاف ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کرتے اور پھر جب اپنی عملی زندگی میں آتے ہیں تو پیشہ ورانہ فرائض کی بجا آوری سے زیادہ سامراجی عزائم کی تکمیل میں گہری دلچسپی لیتے ہیں چنانچہ آج کل معروضی حالات اس پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتے ہیں

۳۔ سرمایہ دار و جاگیر دار

پاکستان پر مسلط استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کی مثلث کا تیسرا اہم کردار سرمایہ دار و جاگیر دار ہے ۔ اس کے کردار کا پس منظر بھی اپنے اندر بڑی گہرائی لئے ہوئے ہے تاریخ شاہد ہے کہ مغل بادشاہوں کے دور میں ہندوستان میں جاگیردارانہ سماج وجود پذیر نہیں ہوا تھا اس لئے کہ وہاں عدل کا مجموعی نظام کچھ اس طرح قائم تھا کہ جاگیر داروں کو اپنے جاگیر کے علاقہ میں انتظامی اختیارات تو حاصل تھے لیکن وہ اس معاشرہ کو جاگیر دارانہ سماج کی حیثیت دے کر وہ ظلم و استحصال نہیں کر سکتے تھے ۔ چنانچہ اس حقیقت کو سوشلزم و کمیونزم کے بانی کارل مارکس نے اپنی مشہور زمانہ کتاب " داس کیپٹل " میں بھی تسلیم کیا ہے اگرچہ اس نے اس کی وجہ معروضی حالات کو بتایا ہے جو اس کے فلسفۂ جدلیت کے مطابق ہے لیکن اس حقیقت کا اعتراف اس نے بھی کیا ہے کہ جاگیر دارانہ سماج اس دور میں ہندوستان میں موجود نہ تھا اور اس کے عزیز دوست اور دست راست اینگلز نے بھی اپنے ایک خط میں جو اس نے ۱۸۵۳ء میں مارکس کو لکھا تھا اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے ۔ (بحوالہ داستان خانوادۂ مولانا احمد علی لاہوری صفحہ ۱۰۲،۱۰۳ مصنفہ عبداللہ ملک)

لیکن جب انگریز سامراج نے اس خطے میں استحصال کرنے کے لئے ہندوستان پر قبضہ کیا اور یورپی صنعتوں کی منڈی بنایا تو اس وقت اس نے سب سے پہلے یہاں کے عوام کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا اس کے ردعمل میں حریت پسندوں نے مزاحمت کی اور پھر ان کے مقابلے جب انگریز نے اپنے پالتو غدار قوم سے کام لیا تو اس نے ۔ موقع پر طانوی سامراج نے ان غداران قوم کو بڑی بڑی جاگیر عطا کیں جس سے ہندوستان کی تاریخ میں

جاگیردارانہ سماج کی ابتدا ہوئی۔ ان غداران قوم نے انگریزی فوج کی اعانت و امداد کے لئے اپنے زیرنگیں علاقہ کے عوام پر زبردست مظالم ڈھائے اور برطانوی سامراج کو ان پر مسلط رکھنے کے نت نئے طریقوں سے کام لے کر ملک کو غلام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس وقت پاکستان کا جاگیردار بھی اکثریتی لحاظ سے انہی غداران قوم کی اولاد و نسل سے ہے اور اس کی ذہنی تربیت بھی اسی پس منظر میں ہوئی ہے کہ وہ ہر حال میں سامراجی مفادات کا تحفظ کرے چنانچہ جو کام انگریز کے دور میں ان کے آبا سے لیا جاتا تھا وہ کام آج یہ لوگ اس نئے سامراج کے لئے کر رہے ہیں۔

یہ مختصر سا جائزہ تو جاگیردار کا تھا اب آیئے "سرمایہ دار" کی طرف۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ کے صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں، سرمایہ دار کی ولادت باسعادت ہوئی۔ چنانچہ یورپ کے بڑے بڑے جاگیرداروں نے جاگیرداری نظام کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے دیکھ کر اپنی اپنی جاگیروں کو فروخت کر کے صنعتیں لگانا شروع کر دیں۔ شروع شروع میں تو ان صنعتوں کا [illegible] ردہ مال یورپ ہی میں کھپ جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب صنعتوں کا وسیع جال بچھ گیا اور مسابقت کا منفی رجحان پیدا ہوا تو یورپ کے ان سرمایہ داروں کو اپنے تیار کردہ مال کے لئے منڈیوں کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ وہاں کی طلب (ڈیمانڈ) سے فائدہ اٹھا کر خوب خوب استحصال کیا جاسکے۔ اس بناء پر یورپ کے یہ لٹیرے تاجروں کا روپ بنا کر ایشیاء و افریقہ کے ملکوں میں منڈیوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اسی طرح سے کچھ تاجر تجارت و سرمایہ کاری کے نا[illegible] ہندوستان آگئے۔ ہندوستان جو ایک خوشحال ملک تھا ان کی ہوس رانی کا سب سے بڑا مرکز بنا اور انھوں نے رفتہ رفتہ پورے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

سامراجی نظام حکومت قائم ہو جانے کے بعد برطانوی سامراج کے ان تاجر نما ڈاکوؤں نے اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جنھوں نے اپنے مال کی طلب مصنوعی طور ظلم و جبر سے پیدا کی تھی اسی طرح انگریزی سامراج کے تسلط نے نتیجتاً اس "سونے کی چڑیا" کی مفلس و کنگال بنا دیا۔ اسی دوران انگریزوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان کا علاقہ بڑا ہے اس لئے ہندوستان سے ہی ایسے ایجنٹ پیدا کئے جائیں جو ان کے استحصال میں مدد و معاون بنیں۔

چنانچہ انگریز نے اس طرح ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جو ان کے ساہوکاری کے نظام میں ان کا مددگار و معاون بنا اور جس نے آپس میں مسابقت کا رجحان پیدا کر کے بڑھ چڑھ کر انگریز کی خدمات سرانجام دیں تاکہ اپنی بے ضمیری اور قوم فروشی کا اچھے سے اچھا معاوضہ حاصل کر سکیں۔ چنانچہ یہ طبقہ کچھ ہی دنوں میں اس استحصالی سرمایہ دارانہ

کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ جو باہر سے صرف اسی لوٹ کھسوٹ کے لئے ہی آئے تھے اس طبقہ میں نام نہاد مسلمان کو متحدہ ہندوستان میں ہندو سرمایہ کار بنیئے سے کمپیٹیشن (مقابلہ) کا سامنا تھا۔ اس لئے جب تحریک آزادی چل رہی تھی تو اس وقت اس طبقہ نے اپنے مفادات کی خاطر "تحریک پاکستان" کی حمایت بھی اسی بنیاد پر کی تھی تاکہ ایک طویل کمپیٹیشن (مقابلہ) سے نجات مل جائے جو ہمیں ہندو بنیئے سے کرنا پڑ رہا ہے چنانچہ جیسے ہی پاکستان بنا تو یہ طبقہ اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ اس ملک پاکستان پر مسلط ہو گیا اور پھر اس نے اس ملک میں اپنی من مانیاں شروع کر دیں اور اپنے ہی فائدہ کی حکومت قانون، پارلیمنٹ اور دیگر سرکاری ادارے بنوا لئے۔ اس طرح اس طبقہ نے بیوروکریسی اور فوج سے معاہدہ کر کے انگریز کے اس استحصالی نظام کو برقرار رکھا چنانچہ آج تک ان کا کردار اسی طرح قائم و دائم ہے۔

اس حقیقت سے کوئی باشعور اور حقیقت پسند آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ اس ملک پر جو نظام مسلط ہے وہ "استحصالی سرمایہ" کی بدولت قائم ہے چنانچہ ملک میں رائج سودی نظام، غیر متوازن اقتصادی و معاشی نظام اور اسی طرح کی دوسری لعنتوں کی بنیاد وہی "استحصالی سرمایہ" ہے جو حقیقتاً اس ملک کے عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے ہوئے ہے۔ اسی "استحصالی سرمایہ" کی بدولت اس معاشرہ میں اتنی خرابیاں در آئی ہیں کہ جن کا تدارک اگر فوری نہ کیا گیا تو یہ روگ نامعلوم کن کن طریقوں سے اس قوم کو تباہ و برباد کر ڈالے گا۔

جیسے جاگیردار اپنی جاگیر کے بل بوتے پر ایک محدود علاقہ میں عوام کے حقوق غصب کرتا اور اپنے تابع ایک اکثریت کو بنیادی ضرورتوں تک سے محروم کئے ہوئے اسی طرح پورے ملک کے نظام کے مرکزی ڈھانچہ میں بنیادی کردار ادا کرنے والا "سرمایہ دار" ہے۔

آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھ لیا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک نظام کے فساد کا ذمہ دار حکمران طبقہ ہوتا ہے جو اپنی تعیش پسند ذہنیت کی وجہ سے ایسا اقتصادی بحران پیدا کر دیتا ہے کہ ملک کی اکثریت حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے کچھ یہی صورت حال اس وقت پاکستان کے اس نظام کی ہے جس کا ہلکا سا نقشہ ہم نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اس نظام میں حکمران طبقے تعیش و تفاخر کے ساتھ ساتھ غیر ملکی سامراج کے مفادات کے تحفظ کے لئے آپس میں نہ ختم ہونے والی ایسی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں کہ جس کے اثرات ملک کے ہر شعبہ زندگی پر بڑی بھیانک شکل میں مرتب ہو رہے ہیں اس طرح اس مخصوص طبقہ نے عوام کو ایسے اقتصادی بحران و معاشی تنگی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ ہر فرد صرف روزی کمانے کے چکر میں پھنس

کررہ گیا ہے۔ اس کے اجتماعی اخلاق تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اس کا قومی شعور، ادراک دلی احساس، معاشی تنگی دور کرنے کی تگ و دو میں ڈوب کر اپنی موت آپ مر چکا ہے اور جب قوم کے اجتماعی اخلاق تباہ و برباد ہو جائیں تو ذاتی و انفرادی اخلاق بھی ساتھ ہی دفن ہو جاتے ہیں۔ کچھ نیک سیرت و نیک طینت انسان اگر ذاتی اخلاق کو برقرار رکھ بھی لیں تب بھی اجتماعی اخلاق کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی سماجی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ذاتی و انفرادی اخلاق اس وقت تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتے جب تک اخلاقیات کی اجتماعی قدریں موجود نہ ہوں۔

ایسے وقت میں ذاتی اخلاقیات کا درس قوم کی مشکلات کا صحیح حل نہیں ہوتا چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ بھی امراء کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صرف اخلاقی درسوں سے انقلاب برپا نہیں کئے جا سکتے۔"

اس لئے کہ "نظام" کے جبر کا اثر قوم کے ذہنوں پر اس قدر غالب ہوتا ہے کہ انفرادی اصلاح و تبلیغ کی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات یہی انفرادی اور ذاتی اصلاح کی تبلیغ رجعت پسندی کا باعث بن کر نظام ظلم کے ہاتھ شعوری یا لاشعوری طور پر مضبوط کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ نظام کے جبر سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسی جماعت مضبوط بنیادوں پر استوار کی جائے جس میں قومی و اجتماعی شعور کا ادراک بھرپور طریقے پر موجود ہو اس لئے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ قومی شعور کا ادراک اور اپنی زبوں حالی کا بھرپور احساس ہی قوم کو ایک نئے جذبے سے سرشار کر کے نظام کے خلاف جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اجتماعی اخلاقیات کی قدروں کا صحیح اندازہ لگا کر قوم کے باشعور اور پڑھے لکھے طبقے میں ان توانائیوں کو اجاگر کیا جائے جو نظام فاسد کے خلاف اپنی کوششوں کا بیشتر حصہ صرف کر کے انسانیت کو امن و سکون کی راہوں پر صحیح طریقہ سے ڈال سکیں۔

اجتماعی نقطہ نظر سے پاکستان کے معروضی حالات میں امام شاہ ولی اللہؒ کے نظریہ "فک کل نظام" کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگایا جانا چاہیئے۔ اس تناظر میں ہمیں اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کر دینی چاہیئے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس نظام کا توڑ کیا جائے تاکہ اس نظام فاسد کا مکمل طور پر خاتمہ کر کے اس کی جگہ ارتفاقات (معاشی خوشحالی) و اقترابات (خدا پرستی) پر مبنی ایک ایسا صالح نظام تشکیل دیا جا سکے کہ اس سے انسانیت اپنا کھویا ہوا کمال دوبارہ حاصل کر سکے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر نظام کے کچھ بنیادی اصول وضوابط اور ایک بنیادی سوچ وفکر ہوتی ہے نظام کے تمام شعبے انہی اصول وضوابط اور سوچ وفکر کے گرد گھومتے ہیں ان کا باہمی ربط اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ اگر اس نظام سے باہر کی کوئی چیز اس میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے ، یا تو وہ چیز خود فنا ہو کر اپنی عملی رُوح ختم کر بیٹھتی ہے یا پھر اس جاری وساری نظام کی تقویت کا باعث بنتی ہے جس سے اس نظام کے تحت زندگی گذارنے والے عام افراد پر او معیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں ۔

دین اسلام چونکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اس کے تمام شعبے اصول وضوابط اور ایک بنیادی سوچ وفکر کے گرد گھومتے ہیں اس لئے اگر دین کے کسی شعبہ کو اس کے مجموعی نظام یا بنیادی روح سے الگ کر کے کسی اور نظام میں شامل کیا جائے گا ۔ تو اس کا نتیجہ دین کے اس شعبہ کو مسخ کرنے کے علاوہ انتشار وفساد کی شکل میں نکلے گا جیسا کہ ہمارے ہاں چالیس سال سے ہو رہا ہے ۔

اس لئے جب تک اس "استحصالی سرمایہ دارانہ نظام" کو اس کے بنیادی اصول وضوابط اور مرکزی سوچ و فکر سمیت فنا نہیں کیا جاتا اس وقت تک ایک صحیح عادلانہ نظام کے ذریعہ انسانیت کا فکری ارتقاء برقرار نہیں رکھا جا سکتا ۔ اس لئے ضرورت یہ ہے کہ اس نظام کی گہرائیوں کو اپنے معروضی حالات میں سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ قوم کو ترقی کی راہوں پر ڈالا جا سکے ۔

اس تناظر میں ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ !

آئیے ! فکر ولی اللٰہی کی روشنی میں چلنے والے قافلہ میں شامل ہو کر "انقلاب" کے لئے ایک ایسے جماعت کی تیاری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں جو حالات کے جبر سے نکل کر صحیح طور پر اپنے اندر قومی واجتماعی شعور اور ملی احساسات پیدا کر سکے نظام کے جبر سے نکلنا قوموں کی زندگی میں بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے لیکن جو قومیں اس عمیق گھاٹی کو عبور کر لیتی ہیں وہ دنیا وآخرت دونوں میں سرخرو ہو جاتی ہیں ۔

وما علینا الا البلاغ